مقالات

چوتھی صدی ہجری کا فقہی و مذہبی انقلاب

(از افادات حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ)

چوتھی صدی ہجری سے قبل کسی خاص امام کی تقلید کا خیال رائے عام کو متاثر نہ کرسکا تھا ابوطالب مکی قوت القلوب میں فرماتے ہیں:-

"لوگوں کی یہ تصانیف تو بعد کی چیزیں ہیں، پہلی اور دوسری صدی میں لوگوں کے اقوال حجت نہیں ہوا کرتے تھے اور نہ یہ قاعدہ تھا کہ خصوصیت کیساتھ کسی ایک ہی شخص کے مذہب پر فتویٰ دیا جائے، اُسی کی رایوں سے استدلال کیا جائے اور ہر مسئلہ و معاملہ میں اُسی کا قول تلاش اور بیان کیا جائے، حتیٰ کہ صرف اُسی کے مذہب پر تفقہ اور استنباط مسائل کی بنا رکھی جائے"

پھر تیسری اور چوتھی صدی ہجری میں تخریج و استنباط مسائل کا کسی قدر رواج شروع ہوا لیکن، جیسا کہ تتبع سے معلوم ہوتا ہے، اس وقت بھی عام لوگوں میں تقلید شخصی کا شیوع نہ تھا اور نہ کسی ایک امام کے اقوال کی روایت و تدوین ان کا شیوہ تھا، بلکہ خواہ عوام ہوں یا خواص و علماء سب کے سب ان خیالات سے بہت دور تھے۔

عوام کا حال یہ تھا کہ وہ اجماعی اور اصولی مسائل میں، جو تمام ائمہ اور ارباب اجتہاد کے درمیان متفق علیہ تھے، براہ راست شارع علیہ السلام کی تقلید کرتے تھے۔ وضو، غسل، نماز

وزکوٰۃ وغیرہ کے طریقے یا تو اپنے بزرگوں سے سیکھ لیتے یا اپنے گاؤں اور شہر کے اصحاب درس وتدریس سے، اور اُسی پر عمل کرتے۔ اور اگر کوئی اہم معاملہ پیش آجاتا تو جس فقیہہ یا مفتی کو پاتے بلا لحاظ مذہب ومسلک اُس سے فتویٰ پوچھ لیتے۔

خواص اور علمار کا حال یہ تھا کہ ان میں جو ارباب روایت و اصحاب حدیث ہوتے، وہ ہر طرف سے نظریں ہٹا کر احادیث میں مشغول رہتے۔ اگر انہیں احادیث یا آثار صحابہ میں کوئی مشہور و مستند چیز مل جاتی جس پر فقہائے سلف کا عمل بھی رہ چکا ہو تو وہ پیروی کیلیے اسکو کافی سمجھتے، اور لوگوں کے اقوال و مذاہب کی طرف التفات ہی نہ کرتے۔ لیکن اگر وہاں کوئی چیز نہ ملتی، تو پھر جمہور صحابۂ و تابعینؒ کے مشہور اقوال کو دلیل راہ بناتے۔ اور کبھی ان مآخذ سے بھی انھیں کوئی تشفی بخش حل نہ ملتا، مثلاً نصوص باہم متعارض ہو جاتیں اور کوئی وجہ ترجیح اُن کے ذہن میں نہ آسکتی، تو ایسی حالت میں وہ فقہائے متقدمین کے اقوال کی طرف رجوع کرتے اور ان کی مختلف رایوں میں سے اس رائے کو اختیار کرتے جو اُن کے نزدیک کتاب وسنت کی روح سے زیادہ اقرب ہوتی اور جسکے حق میں دلائل زیادہ مضبوط ہوتے۔ وہ ماخذ اور دلیل کو دیکھتے تھے، قطع نظر اسکے کہ کونسا قول کس گروہ کا ہے۔

یہ طریقہ تو محدثین کا تھا۔ اصحاب تخریج کا قاعدہ یہ تھا کہ وہ جن مسائل کا حل نصوص شرعیہ میں صاف اور صریح نہ پاتے، انھیں تخریج واستنباط کی روشنی میں حل کرتے، اور اپنے اصول کے مطابق اجتہاد کرتے تھے۔ اور اس اجتہاد کے باوجود یہ لوگ اپنے اپنے ہم خیال ائمۂ کبارؒ کے مذہب سے منسوب کیے جاتے تھے، مثلاً کہا جاتا کہ فلاں شخص حنفی ہے اور فلاں شافعی ہے۔ یہی طریقہ محدثین کے بارے میں بھی برتا گیا۔ مذاہب مروّجہ میں سے جس مذہب سے ان کا مسلک نسبتاً زیادہ قریب اور ہم آہنگ ہوتا آزادیٔ رائے اور عدم تقلید کے باوجود اُسی مذہب کی طرف انھیں منسوب کر دیا

جاتا، مثلاً نسائی اور بیہقی جو بجائے خود امام اور محدث تھے "شافعی" کہے جانے لگے۔ غرض اُس زمانہ میں قضاء اور افتاء کی مسند پر وہی بیٹھتا تھا جو شان اجتہاد رکھتا ہو۔ جو مجتہد نہ ہوتا وہ فقیہہ بھی نہ کہلاتا۔

اب وہ دور آتا ہے جس میں علوم شریعت پر ایک طرح کا اضمحلال طاری ہو جاتا ہے، مسلمان بکثرت اِدھر اُدھر پھیل جاتے ہیں اور ان کے علمی ذوق میں ایک تباہ کن انقلاب برپا ہوتا ہے۔ وہ ذہنی بیماریاں جنھوں نے انکی فکری و علمی صلاحیتوں کو شدید نقصان پہنچایا چند اقسام کی تھیں۔

(۱) پہلی بیماری جس نے ملت مرحومہ کے پیکر کو کھوکھلا بنانے میں سب سے نمایاں حصہ لیا وہ فقہ اور اسکی تفصیلات سے متعلق اہلِ علم کی باہمی نزاع اور ہنگامہ آرائی تھی۔ یہ افسوسناک داستان امام غزالیؒ نے تفصیل سے بیان کی ہے۔ جس کا ماحصل یہ ہے:

"خلفائے راشدین کا میمون و مبارک دور جب ختم ہو گیا تو زمام خلافت ایسے لوگوں کے ہاتھ میں آئی جو اس امانت کے اٹھانیکی مطلقاً صلاحیت نہ رکھتے تھے اور احکامِ شریعت سے قریب قریب نابلد تھے، اس لئے وہ مقدمات فیصل کرنے اور قضائے شرعی جاری کرنے کیلیے مجبور ہوئے کہ علماء دین کی صحبت سے استفادہ کریں، اور قدم قدم پر اُن سے رجوع کریں۔ گو خیر القرون کا دور ختم ہو چکا تھا، مگر پھر بھی حق پرست اور صحیح علم و بصیرت رکھنے والے علمائے سے دنیا بالکل خالی نہ تھی۔ خلفاء کو ایسے لوگوں کی تلاش رہتی مگر اُن کی بے نیازی کا عالم ہی کچھ اور تھا۔ حکومتیں انھیں جتنا اپنی طرف کھینچتیں، وہ ان سے اتنا ہی زیادہ کھینچتے جاتے۔ جاہ پسند لوگوں نے جب دیکھا کہ اس اعراض اور استغنا کے باوجود وہ مرجع خلائق بنے ہوئے ہیں بڑے بڑے ائمہ دین ان پر ٹوٹے پڑتے ہیں اور انھیں

جو عزت و عظمت اور مقبولیت حاصل ہے، پادشاہِ وقت کیلیے بھی باعثِ صد رشک ہے تو ان کے دلوں میں اس ذریعۂ عزت یعنی علوم دین کے حاصل کرنیکا شوق پیدا ہوا تاکہ اسے بازار میں لاکر عزّ و شرف کا سودا کریں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ علم دین کا ایوانِ عظمت جاہ پرستی کے سیلاب میں غرق ہوکر رہ گیا۔ اب علماء و فقہاء ڈھونڈھے نہ جاتے تھے بلکہ وہ خود اپنے ڈھونڈھنے والوں کو ڈھونڈھتے پھرتے تھے۔ جو کچھ انکی عزت تھی سلاطین سے منہ موڑنے کی بدولت تھی۔ جب انھوں نے خود سلاطین کا رخ کیا تو عزت ذلت سے بدل گئی، الا ما شاء اللہ۔

"اس سے قبل کلامی جدلیات کی داغ بیل پڑ چکی تھی، علم کلام پر بعض کتابیں لکھی جا چکی تھیں، بحث و مناظرہ کے اصول و فروع بھی قائم ہو چکے تھے، اختلافی مسائل پر سوال و جواب کا رواج عام ہو چکا تھا، بالآخر ان فقہا کیلیے یہ چیزیں خاص توجہ اور دلچسپی کا مرکز بن گئیں کیونکہ درباروں میں اس کے بغیر بار نہ حاصل ہوتا۔ بعض خلفاء فقہی مناظروں کے بڑے دلدادہ تھے، حنفی اور شافعی مباحثوں سے خصوصیت کے ساتھ انھیں دلچسپی تھی نتیجہ یہ ہوا کہ تمام اربابِ فن، کلام اور دیگر علوم کے میدانِ تحقیق و جستجو سے نکل کر اختلافی مسائل فقہیہ کے معرکہ زار میں اتر آئے اور حنفیت اور شافعیت کے اکھاڑوں میں باہم نبرد آزمائی ہونے لگی کہ خداوندان جاہ و ثروت کی توجہ حاصل کرنے کا یہی مجرب ترین نسخہ تھا۔

"ستم یہ کہ وہ اپنی اس قیل و قال کو علم دین کی بڑی خدمت شمار کرتے تھے، ان کا خیال تھا کہ وہ اس طرح شریعت کے اسرار و دقائق کا استنباط کر رہے ہیں ہر مذہب کے علل و مصالح بیان کر رہے ہیں، اور اصول فتویٰ کی

راہ کھول رہے ہیں۔ اس خیال کے ماتحت انہوں نے تصنیفات اور استنباطات کا ڈھیر لگا دیا اور بحث و جدال کے گوناگوں اسلحہ ایجاد کر ڈالے۔ افسوس کہ وہ اب تک اسی روش پر چلے جا رہے ہیں۔ نہیں معلوم مستقبل انھیں کس راہ پر چلائے گا"

(۲) دوسری خاص بات اس زمانہ میں یہ پیدا ہوئی کہ تقلید جامد پر لوگوں نے قناعت کرکے تحقیق و اجتہاد کا دروازہ اپنے اوپر بند کر لیا۔ تقلید پرستی غیر شعوری طور پر ان کے ایک ایک رگ و ریشے میں سرایت کر گئی۔ اس کے چند اسباب تھے:۔

پہلا سبب فقہاء کی باہمی جنگ و جدل ہے کیونکہ جب ان میں آپس کی مناظرانہ چپقلش اور مزاحمت شروع ہوئی تو نوبت یہ آگئی کہ جہاں کسی فقیہ نے فتویٰ دیا، دوسرا فوراً اسکی تردید کر دیتا اور اپنی الگ رائے پیش کرتا۔ اس نزاع میں جب تک کسی قدیم امام یا مجتہد کا قول حَکَم نہ بنتا، جھگڑے کا تصفیہ ہی نہ ہو سکتا تھا۔ اس طرح ارباب علم و افتاء کیلیے ناگزیر ہو گیا کہ کسی نہ کسی امام کی تقلید محض کے حصار میں پناہ لیں۔

دوسرا سبب قضاۃ وقت کا ظلم و جور ہے۔ ان کے فیصلے اکثر سنۃ عادلہ سے بے پروا ہو کر جور و ستم پر مبنی ہوا کرتے۔ اس وجہ سے لوگوں کی نگاہ میں انکی رائیں مشکوک رہا کرتیں اور انھیں اس وقت تک تسلیم نہ کیا جاتا جبتک وہ سلف میں سے کسی امام کی رائے کا حوالہ نہ دیتے۔

تیسرا سبب جہل کا شیوع ہے۔ اکثر مفتیوں کا حال یہ تھا کہ نہ وہ علم حدیث سے کوئی بہرہ رکھتے تھے اور نہ تخریج و استنباط کی اہلیت رکھتے تھے، جیسا کہ تم اکثر متاخرین کے اندر یہ صفت بآسانی دیکھ سکتے ہو۔ علامہ ابن ہمام وغیرہ نے ا[illegible]ی فقہی زوال پر شدید احتجاج کیا ہے۔ ایک وقت وہ تھا جب فقیہ اور مجتہد کے الفاظ ایک ہی معنی میں بولے اور سمجھے جاتے تھے

مگر اب فقاہت کا معیار بدل چکا تھا۔ اب غیر مجتہد بھی فقیہ ہونے لگا۔

(۴) اس دور میں ایک اور چیز پیدا ہوگئی جس نے لوگوں کی توجہ اپنی طرف کھینچ لی وہ علوم شریعت کے اصل سرچشمہ سے اک گونہ بے پروا ہوتے گئے اور زیادہ تر جزوی فنون میں داد تعمق دینے لگے۔ بعض نے بزعم خود علم الرجال اور فن جرح و تعدیل کی بنا ڈالی، پھر جدید و قدیم تاریخ کی تدوین میں منہمک ہوگئے۔ کچھ لوگ غریب و نادر احادیث و اخبار کی چھان بین میں مصروف ہوگئے خواہ وہ سرتا پا افسانہ ہی کیوں نہ ہوتیں۔ ایک گروہ نے اصول فقہ کے دامن کو پھیلانا شروع کیا اور ہر صاحب نظر نے اپنے امام و اصحاب کے مسلک کی تائید میں بیشمار جدلی قواعد و ضوابط مدون کر ڈالے۔ ردّ و ایراد کے چرچے بہت بڑھ گئے، میدان مبارزت میں بے پناہ گرمی پیدا ہوگئی اور اس فن پر ہر ایک نے اپنے مسلک اور مذاق کے مطابق طویل و مختصر تصانیف کا انبار لگا دیا۔ ایک اور جماعت اٹھی جس نے بغیر کسی احساس ضرورت کے محض فرضی صورتوں کو سامنے رکھکر دماغی کاوش شروع کر دی۔ یہ فرضی صورتیں جن پر وہ اپنی قیل و قال کی بنیاد رکھتے کبھی کبھی حد درجہ مستبعد اور بے اصل ہوا کرتی تھیں۔ اسی طرح کبھی کبھی مجتہدین سلف کے عموم عبارت اور اشارات کو لیکر خیال آرائی شروع کر دیتے جسکو ایک عامی انسان بھی سننا پسند نہیں کر سکتا۔

یہ دور اتنے فتنوں کو ساتھ لیکر آیا تھا۔ اختلاف و نزاع اور لاطائل تعمق و تدقیق کا یہ فتنہ تاریخ اسلام کے اس سیاسی فتنہ سے کسی طرح کم نہ تھا جس نے شیرازۂ ملت پر اپنی تیز مقراض چلا کر اس کا سارا انتظام ہی درہم برہم کر ڈالا۔ پہلا فتنہ خلافت اور حکومت کی طلب کا اٹھایا ہوا تھا۔ ہر شخص نے اپنی جماعت یا اپنے جماعتی سرگروہ کو برسر تخت لانے کی جا و بیجا سر توڑ کوشش کی نتیجہ یہ ہوا کہ "ملک عضوض" (جابر و ظالم بادشاہ) امت کے سر پر مسلط ہوگئے۔ اور تاریخ اسلام

میں ایسے ہولناک واقعات پیش آئے جنکا تصور بھی نہیں ہو سکتا تھا۔ اسی طرح یہ جدید فتنہ بھی قریب قریب ویسے ہی اسباب کے ماتحت آیا اور لوگوں کے دماغوں میں جہل اور شکوک و اوہام کے گہرے نقوش چھوڑ گیا۔

زمانہ گذرتا رہا اور اسی اندھی، متعصبانہ تقلید پرستی پر نسلیں ختم ہوتی گئیں جبکی رو سے حق و باطل کی تمیز کرنا اور جدلِ محض اور استنباطِ صحیح کے حدود الگ کرنا بدترین گناہ ہے۔ اب فقیہ تام ہونے لگا اس شخص کا جبکی زبان بحث و جدال کے میدان میں تیز تر ہو۔ جو کسی بات پر چپ رہنا جانتا ہی نہ ہو۔ جس نے بلا امتیازِ رطب و یابس، فقہا کے تمام اقوال رٹ رکھے ہوں اور ان کی دھواں دھار تلاوت کر سکتا ہو۔ یہی حال اصطلاحی محدّث کا تھا جو یہ سمجھے بیٹھا ہوا تھا کہ غلط، صحیح، موضوع اور مستند، ہر قسم کی روایتوں کو گن گن کر الگ کر لینا اور بغیر کسی معقولیت اور فہم و بصیرت کے انہیں بیان کر دینا حدیث دانی کا سب سے بڑا کمال ہے۔

میں یہ نہیں کہتا کہ یہی حال سب کا تھا۔ نہیں، اس قحط کے باوجود اللہ کے کچھ بندے سلف کی یاد تازہ کرنیوالے بھی باقی تھے۔ اگرچہ بہت کم تھے مگر اللہ کی تائید ان کے شریکِ حال تھی۔ یہی لوگ ارض الٰہی پر اس کی حجت ہیں۔

اس دور کے بعد جتنا وقت گذرتا گیا فتنہ آرائی اور متعصبانہ تقلید پرستی کا طوفان بڑھتا ہی گیا اور دلوں سے علم و بصیرت کی خداوندی امانتیں نکلتی گئیں، حتیٰ کہ آج کے علمار کرام مور دین میں غور و تدبر کی "بدعت" کو مٹا کر اطمینان کا سانس لے رہے ہیں اور زبانِ حال سے کہہ رہے ہیں کہ اِنَّا وَجَدْنَا آبَاءَنَا عَلٰی اُمَّةٍ وَّ اِنَّا عَلٰی آثَارِهِمْ مُّقْتَدُوْنَ (ہم نے اپنے آبار کو ایک دین پر پایا ہے اور ہم انہیں کے نقوش قدم کی پیروی کرینگے) اب سوائے اللہ کے اور کس سے اسکا گلہ کیا جائے۔ وہی ہمارے حال پر رحم کرے۔

(ماخوذ از حجۃ اللہ البالغہ)